© rasailojaraid.com

قدرت اللہ شہاب

چناب کے کنارے

اگر آپ ترقی اور اعلیٰ درجات کے طالب ہیں تو آپ کو ضلع جھنگ کی زیارت کے لئے ضرور جانا چاہئے یہاں آپ راہِ سلوک کا سفر منزل بہ منزل مقام بہ مقام نہایت بے تکلفی سے طے کر سکتے ہیں۔

جھنگ پہنچتے ہی آپ کا خیر مقدم ایک سادہ سی قبر کرتی ہے جس کے کتبے پر یہ تحریر ہے کہ یہ مزار شریف حضرت میاں رانجھا رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مائی ہیر صاحبہ کا ہے جنہوں نے عشقِ حقیقی کی آگ جلا کر بنی نوعِ انسان کی روح کو گرمایا۔ اب وارث شاہ اپنی شاعری کی ترنگ میں جو جی چاہے لکھ ڈالے۔ لیکن اس قبر کا کتبہ بڑی شدت سے اعلان کرتا ہے کہ خبردار۔ یہ اولیاء اللہ کا مرقد ہے اور جو مجاور یہاں بیٹھتا ہے وہ بھی بڑی عقیدت سے آپ کو جوتے اتارنے ' فاتحہ کہنے اور منت مانگنے کے آداب سکھاتا ہے اور جھنگ مگھیانہ کے گلی کوچوں میں بسنے والے بے شمار محبت نواز جوڑے شہادت دیتے ہیں کہ اس مزار کا قرب زندگی کے بہت سے عقدوں کا حل فراہم کر دیتا ہے۔

اگر آپ جھنگ سے اٹھارہ اُنیس میل شمال کی طرف جائیں تو آپ کی دوسری منزل کھیوا پڑے گی۔ یہ صاحباں کا گاؤں تھا۔ جہاں مرزا طویل مسافتیں گھوڑے پر طے کر کے اس سے ملنے آیا کرتا تھا مرزا صاحباں کے قصے پر بھی بر خود غلط شاعروں نے رومانی رنگ چڑھا رکھے ہیں لیکن اگر آپ اس گاؤں کے بڑے بوڑھوں سے اس قصّے کی بابت کوئی بات ذرا بے احتیاطی سے پوچھ بیٹھیں گے تو وہ آپ کو بڑی غضبناک نگاہوں سے گھوریں گے اور آپ کی جہالت اور گمراہی پر لاحول پڑھتے ہوئے آپ کو ایک پرانی اور بوسیدہ سی مسجد میں لے جائیں گے تاکہ آپ نماز دوگانہ ادا کر کے اپنے باطن کی طہارت کر لیں یہ مسجد بی بی صاحباں کی مسجد ہے اور گاؤں والے بڑی عقیدت مندی سے آپ کو بتائیں گے کہ اس مسجد میں بی بی صاحباں دن رات نوافل ادا کیا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کا نام اللہ کے منتخب شہیدوں میں درج ہو گیا۔ چنانچہ آج بھی بہت سی نیک بیبیاں اغوا ہونے سے پہلے یا اغوا ہونے کے بعد اس تاریخی مسجد میں برکت حاصل کرنے کے لئے آیا کرتی ہیں۔ بلکہ اگر کوئی عورت اس مسجد میں سر بسجود نظر آئے تو بلا تردد یہ قیاس کر لیا جاتا ہے کہ یہ بی بی صاحباں کی طرح عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف ترقی پذیر ہے۔

بی بی صاحباں پر جو درجۂ ولایت نازل ہوا۔ اس کی روئیداد بھی اہلِ قلب و نظر کے لئے بڑی کرامت والی چیز ہے کہتے ہیں کہ ایک بزرگ کی دخترِ نیک اختر گھر سے فرار ہو گئی تھیں۔ وہ اس کی تلاش میں گھومتے گھامتے کھیوا آ پہنچے یہاں پر سرِ راہ صاحباں کی ماں سے ملاقات ہو گئی۔ بزرگ نے اس سے اپنی بچی کی نسبت دریافت کیا صاحباں کی ماں نے جواب دیا کہ میں آوارہ چھوکریوں کا حساب کتاب نہیں رکھا کرتی اس لئے مجھے تمہاری دختر [illegible] کچھ معلوم [illegible] پر بزرگ جلال میں آ گئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالتِ جذب میں انہوں نے بد دعا دی کہ جا تیری بیٹی بھی تیرا نام روشن کرے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد صاحباں پیدا ہوئی اور جیسا کہ تاریخ شاہد ہے اس نے اپنی ماں کا تو نہیں بلکہ اپنا نام خوب روشن کیا اور اس روشنی کا نور آج تک مغویہ عورتوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے۔

غالباً چناب کے پانی ہی میں کچھ کرامات ہے کہ اس کے کنارے جس کسی نے عشق کیا وہ بے تکلف درجۂ ولایت تک پہنچ گیا ہیر و رانجھا اور مرزا صاحباں کی تو پرانی باتیں ہیں لیکن آج بھی اس دریا کے کنارے ایک جگہ ایسی ہے جہاں عشق و محبت کی آمیزش سے کشف و کرامات تصوّف اور معرفت کے بہت سے عقدے حل کئے جاتے ہیں یہاں پر ایک پیر صاحب تھے جن کے نام کے ساتھ فخرِ سالکاں' رہنمائے عاشقاں' محبِ عارفاں کی قسم کے کوئی گز بھر القاب اور خطابات لگا کرتے تھے اگر ان کے نام اور القاب کو کسی تختی پر لکھا جائے تو اس کی صورت ایک کتبے کی طرح بن جاتی ہے جو مقدس مزاروں کے سرہانے آویزاں کیا جاتا ہے پیر صاحب پکی سڑکوں پر شاندار کار استعمال کیا کرتے تھے' کچی سڑکوں کے لئے اسٹیشن ویگن تھی۔ اس کے علاوہ دس بارہ اعلیٰ قسم کے گھوڑے تھے جن پر وہ خود کبھی سوار نہ ہوئے تھے۔ تین ساڑھے تین درجن نسلی کُتّے تھے جن کی خدمت کے لئے بہت سے خادم مامور تھے۔ کبوتروں کا بھی شوق تھا اور گاہے گاہے بٹیروں کی پالی سے بھی جی بہلایا کرتے تھے۔

درگاہ شریف پر درویشانہ ٹھاٹھ تھے لیکن مریدوں کی سہولت کے لئے بہ اَمرِ مجبوری پنجاب اور سندھ کے متعدد شہروں میں جدید طرز کی کوٹھیاں بنوا رکھی تھیں۔ گدّی کے نام پر بہت سی اراضی وقف تھی اور سال بھر میں عقیدت مندوں سے بہت سا نذرانہ بھی آجاتا تھا صوفیائے کرام کا مسلک ہے کہ دنیاوی مال و متاع راہِ سلوک کا راہزن ہوتا ہے چنانچہ ایمان کی سلامتی کے لئے پیر صاحب اپنی ساری آمدنی بڑی بافابلگی سے ٹھکانے لگاتے رہتے تھے۔ گرمیوں میں مری' کوئٹہ' ایبٹ آباد اور سردیوں میں لاہور' پشاور اور کراچی کے شہروں کو فیض پہنچایا جاتا تھا۔ عرس شریف کے موقعے پر گاؤں والے روحانی ثواب حاصل کرتے تھے اور اس طرح پیر صاحب سارا سال اپنے مریدانِ باصفا کی خاطر بڑے بڑے دینی اور دنیاوی مجاہدوں میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرس شریف کا آخری روز تھا۔ محفلِ سماع کے لئے دُھوم دھام کا اہتمام تھا گدی کے بائیں طرف افسروں کی نشستیں تھیں۔ دائیں طرف پیر بھائی رؤسا اور سیاست زدہ اصحاب تشریف فرما تھے۔ عین سامنے درویشوں کا گروہ تھا۔ جن پر قوالی کے وقت یکے بعد دیگرے حال طاری ہونے والا تھا۔ وجدان کی سہولت کے لئے لاہور سے طریقت پسند لڑکوں کی ایک پارٹی بھی آئی ہوئی تھی اور وہ باریک ململ کے کرتے اور ترچھی ٹوپیاں پہنے بڑے ادب سے روزانو بیٹھے تھے ان سب کے درمیان قوالوں کا ساز و سامان تھا اور پیچھے حدِ نگاہ تک زائرین کا اجتماع تھا۔ یہ عقیدت مند دُور دراز مقامات سے آئے ہوئے تھے ان کے پاس نہ سواری کے لئے موٹریں تھیں نہ گھوڑے اور پالکیاں تھیں لیکن ہر سال روحانیت کی کشش سفرِ وسیلۂ ظفر کی ہر دشواری و صعوبت کے باوجود یہاں کھینچ لاتی تھی۔ شاید یہ لوگ اپنے مل کا بیل فروخت کر کے یہاں [illegible] زیور یا اپنی بیٹیوں کے جہیز رہن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھ کر نذرانے کا انتظام کیا تھا۔ شاید یہ جب واپس لوٹیں گے تو انہیں کئی کئی مہینے فاقہ سے گزارنے پڑیں گے کیونکہ ان کی گندم کے فالتو ذخیرے پیر صاحب کے لنگر کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔

قوالوں نے بڑی خوش مستی کے ساتھ ہارمونیم کی تان چھیڑی۔ درویشوں کے سر جھومنے لگے طریقت پسند لڑکے چٹکیاں بجا بجا کر بیٹھے بیٹھے بڑی ادا سے کمریں مٹکانے لگے۔ پیر صاحب کا مورچھل طرۃ بھی جنبش میں آیا جیسے بین کی آواز پر سانپ کا پھن لہرا رہا ہو۔ گلاب پاش تیزی سے گردش کرنے لگے انگیٹھیوں میں عود و عنبر اور لوبان سُلگنے لگے، اداس سوندے سوندے ماحول میں بھاگیشری کے سُر میں قوالوں نے جامی کی غزل شروع کی۔ ایک ایک بول تال پر روحیں بے تحاشہ پھڑکنے لگیں۔ پیر صاحب زور زور سے اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے تھے۔ افسر لوگ اپنے وقار کی بندشوں کی وجہ سے کبھی کبھی محض سر ہلا دیتے تھے سیاست زدہ اصحاب اس سے بھی زیادہ وقار کے مدِ نظر سر کی جگہ چوری چوری پاؤں ہلاتے تھے۔ عقیدت مندوں کا ہجوم جو اکثر فارسی سے بے بہرہ تھا نہ سر ہلاتا تھا نہ پاؤں لیکن پیر بھائی درویش اور طریقت پسند لڑکے آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ بے اختیار گردنیں مٹکاتے تھے۔ سجدوں میں گرتے تھے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو ہو کر راگنیوں کی تان پر جھومتے تھے اور پھر یکایک کئی درویش ہُو حق کا نعرہ لگا کر میدان میں کُود پڑے ایک صاحب اپنی سفید داڑھی کو مٹھیوں میں پکڑ کر ناچنے لگے دو درویش ایک دوسرے کے گلے سے لپٹے رموزِ بے خودی فاش کرنے لگے ساری مجلس مؤدبانہ کھڑی ہو گئی اور عقیدت مند جُھک جُھک کر نذرانے پیش کرنے لگے۔ پیر صاحب انہیں ہاتھ سے چھو چھو کر قوالوں کے حوالے کرتے جاتے تھے۔ ایک طالب علم نے اپنا فونٹین پین پیش کیا کیونکہ اس کی جیب سے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ ایک کسان نے جو کے ستووں کی پوٹلی نذر کی جسے وہ غالباً زادِ راہ کے طور پر اپنے ساتھ لایا تھا۔

جامی کے بعد حافظ، خسرو اور اقبال کی قوالی ہوئی اقبال کی قوالی پر پیر صاحب کو بھی وَجد آ گیا اور جب وہ فارغ ہو کر بیٹھے تو ان کے چہرے پر جلال اور سَر پر جمال تھا۔ دراصل سَر پر اصلی مقام پگڑی کا ہے۔ لیکن اس وقت پیر صاحب کے سر پر صرف جمال ہی جمال تھا کیونکہ ان کی پگڑی کو ابھی ایک خادم بڑے ادب سے اٹھائے باریک چقوں کے پیچھے لے گیا تھا۔ جہاں بہت سی عقیدت مند عورتیں رحمتِ خداوندی کے انتظار میں ہمہ تن گوش بیٹھی تھیں۔ خادم پگڑی اٹھائے جمیلہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ جمیلہ کی ماں اسے پہلی بار عرس شریف میں لائی تھی تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جمیلہ کی شادی کے لئے دعا کرے۔ پگڑی کو دیکھ کر جمیلہ رونے لگی۔ لیکن اس کی ماں نے اسے جھڑک دیا۔ جمیلہ بیٹی اللہ کے دربار میں رو کر نافرمانی نہیں کیا کرتے۔ اس مقدس پگڑی ہی میں اولیائے کرام کی وراثت محفوظ ہے اس پگڑی کے ساتھ بزرگی، عظمت اور معرفت کی روایاتِ صادقہ وابستہ ہیں اس پگڑی کے سہارے پیروں کی پشت ہا پشت عرشِ عظیم کے میناروں میں چڑھتی رہی ہیں۔ اس پگڑی کی سلوٹوں سے فیض کے چشمے بہے ہیں۔ صدیوں سے بندگانِ خاص و عام کو یہ پگڑی انوارِ تجلیات سے سرفراز کرتی رہی ہے یہ بڑی مرادوں والی پگڑی ہے اس پر ایجاب و قبول کے سب دروازے وا ہیں، یہ پگڑی خدا کی بارگاہ سے کبھی خالی نہیں لوٹتی تو

© rasailojaraid.com

(بقیہ صـ ۲۹ پر)